غامدی صاحب: دبستان شبلی کے وارث یا دبستان سرسید کے جانشین

ص ۴ سے آگے

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے حلقہ مفکرین میں ایک بھی شخص اس قابل نہیں کہ وہ غامدی صاحب کی عربی اغلاط کی تصحیح کر سکے گویا غامدی صاحب کے شاگردوں کا پورا حلقہ عربی دانی کی بنیادی صلاحیت سے عاری ہے جو علوم اسلامی اور اجتہاد کے لیے لازمی بنیادی صفت ہے۔ ۲۷ سالہ پرانی غلطیوں پر قائم و دائم رہنا اور اس غلط سلط عربی تحریر کو ۲۰۰۷ء میں بھی سینے سے لگائے رکھنا، تاریخ ادب عربی کا افسوس ناک سانحہ ہے۔ غامدی صاحب مغربی فکر و فلسفے کے بنیادی مباحث اور بنیادی کتابوں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں ۱۴ سال کی عمر میں انھوں نے ایک اکیڈیمی قائم کرنے کا سہانا خواب دیکھا جس کا عملی آغاز بقول ان کے ۱۹ سال کی عمر میں ۱۹۷۰ء میں ہوا اور ۷۵ء میں یہ اکیڈیمی وجود میں آ گئی۔ جب غامدی صاحب کی عمر صرف ۲۴ سال تھی ظاہر ہے اس کچی عمر کے خواب خواب پریشاں ہی ہو سکتے ہیں جس کے باعث پوری امت اب بے خوابی کی کیفیت میں مبتلا کر دی گئی ہے۔ ۱۴ اور ۱۹ سال میں علمی فتوحات کے خوبصورت خواب دیکھنے اور دکھانے والے غامدی صاحب کو اصلاحی حلقہ علم میسر آیا وہ بھی امت کے تعامل سے انحراف میں فخر محسوس کرتا تھا لہٰذا یہ صحبتیں غامدی صاحب کو مزید گم راہ کرنے میں مدد و معاون ہوئیں، کشمش بننے سے پہلے منقّی بننے کی کوشش نے غامدی صاحب کی نفیس و تستعلیق شخصیت میں موجود بے کراں امکانات کی سرزمین کو ایک اجاڑ اور بنجر ویرانے میں بدل ڈالا جہاں زقوم کاشت کیا جا رہا ہے۔ سب کو کہنی مار کر آگے بڑھنے اور سب میں نمایاں نظر آنے کا وصف خاص جماعت اسلامی سے ان کے اخراج کا باعث بنا۔ مولانا مودودیؒ نے انھیں خوب اچھی طرح پہچانا اور ایک دن خاموشی سے انھیں ادارہ معارف اسلامی سے ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ نے جدیدیت پسند اسرار عالم، نجات اللہ صدیقی، وحید الدین خان، کوثر نیازی اور ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کو بروقت پہچان لیا تھا۔ غامدی صاحب کو متوسلین کا جو حلقہ ملا وہ بھی سونے پر سہاگہ تھا، جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی سے نکلنے والے یا نکالے جانے والے علمی پیاس بجھانے کے طلب گار اس پنگھٹ پر جمع ہونے لگے، گھانٹ گھانٹ سے، گھونٹ گھونٹ پانی پی کر سیرابیٔ علم کا تماشہ دیکھنے والوں کا ایک شکستہ، خستہ، بے حال، بے بال و پر قافلہ جمع ہو گیا جسے کراچی اور لاہور کے بعض سرمایہ داروں کے رزق کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ جاوید غامدی کے تربیت یافتہ تمام طلباء مغربی فلسفے، جدید سائنس، سوشل سائنس کے مباحث سے یکسر ناواقف ہیں، دینی علوم میں کورے، مشرق و مغرب سے بے خبر کردار میں ادھورے مگر عہد جدید کے لال بجھکڑ ہیں جن کا کام اسلامی تاریخ و تہذیب و عقائد میں کیڑے ڈالنا ہے، ان تمام مفکرین کی مشترکہ اساس یا مشترکہ علمی و عملی اثاثہ غامدی صاحب کے بے ربط متون کی تشریح اور قصداً ٹوپی ترک کرنا اور داڑھی کو ممکنہ حد تک مختصر رکھنا ہے۔ غامدی صاحب نے اپنی اکیڈیمی کے نصاب کے لیے جو کتابیں تجویز فرمائیں وہ مغربی فلسفے سے ان کی عدم واقفیت کا ثبوت ہیں نصاب میں ہائیڈیگر جیسے عظیم فلسفی کا نام شامل نہیں کیا گیا۔ اس نصاب میں جدید سائنس و ٹیکنالوجی پر بھی کسی فلسفی کی کوئی کتاب نہیں رکھی گئی۔ غامدی صاحب بیسویں صدی کے کسی حقیقی فلسفی [اور یجنل فلاسفر] سے واقف نہیں ہیں وہ پس جدید فلاسفہ کے علمی کام سے بھی ناواقف ہیں۔ اگر ان فلاسفہ سے وہ واقف ہوتے تو یقیناً نصاب میں مشل فوکو، دریدا، ڈیلوز، ہیبر ماس، جان رالس، رچرڈ رارٹی کے متون لازماً شامل ہوتے۔ انھوں نے اپنی فہرست میں سارتر کو سرفہرست رکھا جو ہائیڈیگر، فوکو، ڈیلوز، ہیبر ماس کے سامنے معصوم بچے نظر آتا ہے۔ غامدی صاحب جدید فلسفہ معیشت سے بھی قطعاً لاعلم ہیں۔ ورنہ وہ لیوہیو برمین کی کتاب Man's Wordly Goods جیسی از کار رفتہ کتاب شامل نہ کرتے جس کا جدید فلسفہ معیشت سے دور کا تعلق بھی نہیں، لیکن جس کا ترجمہ ایک زمانے میں بہت مقبول ہو گیا تھا۔ وہ شامپٹر کی کتاب History of Economical Analysis سے ناواقف ہیں۔ جدید معیشت پر ہیش مین، گلبرٹ، لپسی، سیمولسن کی معروف کتابوں سے بھی وہ واقف نہیں۔ لیوہیو برمین کی کتاب کے سوا تیس سال میں فلسفہ معیشت پر انھوں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی، اس لیے ۱۹۷۸ء سے ۲۰۰۴ء تک معیشت پر ان کے ہر مضمون اور تقریر میں صرف اسی کتاب کا حوالہ بڑے کروفر سے ملتا ہے۔ وہ سرمایہ داری پر کسی کتاب سے واقف نہیں۔ انھیں مغرب کے عروج، عیسائیت کے زوال، سرمایہ داری کے عروج میں پروٹسٹنٹ ازم کے کردار کا بھی علم نہیں۔ ان کی کم علمی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ فلسفہ سیاست کے لیے بلنچلی کی کتاب Theory of State تجویز فرماتے ہیں یہ وہی کتاب ہے جو حمید الدین فراہی نے اپنے ایام طالب علمی میں پڑھی اور اصلاحی صاحب کو سبقاً سبقاً پڑھائی۔ زمانہ ایک صدی آگے نکل گیا لیکن غامدی صاحب فلسفہ سیاست کی فہرست کتب میں اس کتاب کے سوا کچھ اور دیکھنے سے قاصر رہے۔ وہ اسٹراؤس کی کتاب History of Political Philosophy، لوئس کی Readings in Social Science سے واقف نہیں وہ ریکارڈ مل یتھم ریکارڈ وکی کتب اور پولیٹیکل اکانومی کے مباحث سے بھی قطعاً لاعلم ہیں۔ وہ Theory of Moral Centiments سے ناواقف ہیں جو جدید معیشت کی انجیل اور مذہب معیشت کی مابعد الطبیعیات ہے۔ منطق پر ارسطو اور مل کا کام غامدی صاحب کے نصاب میں شامل نہیں کیونکہ وہ اس سے واقف ہی نہیں ہیں۔ [بقیہ پشت کے سرورق کے اندرونی حصے پر ملاحظہ کیجیے]

غامدی صاحب: دبستان شبلی کے وارث یا دبستان سرسید کے جانشین

گزشتہ سے پیوستہ

Hermunitic logic پر ریکوائر اور ہیبر ماس کے کام کی آگہی بھی غامدی صاحب کو حاصل نہیں اس لیے جدید منطق ان کے نصاب میں شامل نہیں جو ان کی لاعلمی کا ثبوت ہے۔ Hermunitic کے علم کے بغیر تو جدید مغربی فلسفہ کے مفاہیم اور عزائم وارادوں کو سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو وہ قدیم علوم سے سطحی واقفیت رکھتے ہیں اور جدید علوم کی امہات کتب سے قطعاً ناواقف ہیں اس کے باوجود غرہ اس بات کا ہے کہ آنے والا دوران کے حلقہ جہلا کا مقدر ہے اور مسند علم ان کے لیے خالی کردی گئی ہے۔ ان کے حلقہ فضلاء میں شامل برخود غلط مجتہدین، اور محققین کا کل علمی اثاثہ درج ذیل ہے [۱] مغرا مجد اسلام پر دو کتابچے [۲] شہزاد سلیم غامدی صاحب کے مضامین کے انگریزی ترجمے [۳] منظور الحسن غامدی صاحب کی تقریریں مرتب کر کے مصنف کہلاتے ہیں۔ [۴] طالب محسن نے کیا لکھا کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا۔ [۵] رفیع مفتی نے رسول اللہ کا نکاح، مسئلہ تصویر اور ظہور مہدی پر کچھ لکھا ہے۔ [۶] ساجد حمید کی اہم تصانیف مشکلیں کیوں آتی ہیں بدگمانی سے کیسے بچیں، صبر کیا ہے؟ [۷] عمار خان ناصر شیخ الحدیث، مولانا سرفراز خان صفدر کے پوتے اور زاہد الراشدی کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا علمی کام مسجد اقصیٰ پر تین بے بنیاد مضامین ہیں۔ یہ مضامین بھی غامدی صاحب کی تحقیق ہیں لیکن نام ایک راسخ العقیدہ گھرانے کے فرزند کا استعمال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر فاروق خان کی تمام کتابیں غامدی صاحب کے مضامین، تقاریر پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان پر غامدی صاحب کا نام شائع نہیں ہوتا ان میں جرأت ہی نہیں ہے کہ اپنا فکر اپنے نام سے پیش کر سکیں۔ فاروق خان نہ علم حدیث سے واقف ہیں نہ علم تفسیر سے، ان کی تمام کتابیں غامدی صاحب کی آراء پر مشتمل ہیں۔ کوکب شہزاد نے زندگی میں کبھی کوئی کتاب نہیں لکھی یہی حال محمد بلال کا ہے۔ نعیم بلوچ بچوں کے لیے کہانیاں لکھتے ہیں اور بچوں کو ختنہ کے موضوع پر گفتگو کے آداب سکھاتے ہیں۔ [کتابوں سے متعلق تمام معلومات المورد غامدی اشراق اور ریئے ساں کی ویب سائٹ سے ۵/اپریل کو لی گئی ہیں بقیہ معلومات ان کی تحریروں، پمفلٹ، اور تین سو کسیٹ سے اخذ کی گئی ہیں] بڑوں سے لے کر بچوں تک اس حلقے کا دلچسپ موضوع ختنہ شریف ہے۔ عورت کی ختنہ سنت ہے یا بدعت۔ جاوید غامدی ہوں یا نعیم بلوچ عصر حاضر کا اہم ترین مسئلہ ختنہ کے مسائل اور ختنہ پر گفتگو کا سلیقہ سکھانا ہے۔ ختنے کے مسئلے میں مولویوں کے پیدا کردہ مسائل ان کو یاد ہیں لیکن عریانی، فحاشی، ٹی وی، میڈیا، مغربی تہذیب، فلسفے، اقدار، روایات سے پیدا ہونے والے مسائل کا ان کی تحریر وتقریر میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے آقا کی ہدایت یہی ہے کہ ان امور میں غص بصر، درگزر اور عفو سے کام لو۔ [۸] سمیع مفتی غامدی صاحب کی تحریروں کے عربی مترجم ہیں کیونکہ بے چارے غامدی صاحب جو عہد حاضر کے سب سے بڑے عالم عربی ہیں جن کے بارے میں سہیل عمر ناظم اقبال اکادمی کے یہ فرمودات بذریعہ فراست رضوی ہم تک پہنچے ہیں کہ عالم عرب میں کوئی غامدی جیسی عربی نہ لکھ سکتا، نہ بول سکتا وہ عربوں کو عربی پڑھاتے ہیں اور جب وہ عربی بولتے ہیں تو بڑے بڑے علمائے عرب لغات کھول کر اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ غالباً یہ تمام علمائے عرب سہیل عمر صاحب کے توسط سے اقبال اکیڈیمی کے خرچ پر غامدی صاحب کے دروازے تک پہنچے ہیں اس لیے ان قیمتی معلومات سے ان کے سوا کوئی واقف نہیں۔ غامدی صاحب کی عربی کا حال تو اگلے صفحات میں رضوان علی ندوی صاحب کے خامہ معجز رقم سے پڑھ لیجیے۔ اگر یہ عربی کے اتنے بڑے عالم ہیں تو اپنی تحریریں ترجمہ کیوں کراتے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں غامدی صاحب نے الاشراق کے نام سے عربی میں تفسیر قرآن لکھنے کا اعلان کیا تھا۔ مستنصر میر کے مطابق یہ تفسیر ۱۹۸۰ء میں لکھی جا چکی تھی، لیکن آج تک شائع نہیں کی گئی۔ دائرۃ المعارف کے ڈاکٹر محمد امین کی روایت کے مطابق اس تفسیر کے مسودے کا مطالعہ کرنے کے بعد کلیہ علوم شریعہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ڈاکٹر طاہر منصوری نے انھیں طویل خط لکھا جس میں عربی کی سینکڑوں اغلاط واضح کرنے کے بعد منصوری صاحب نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ آپ صرف اردو میں لکھیں لہٰذا اس مشورے کی پیروی میں غامدی صاحب نے مستقبل کے منصوبوں سے عربی تفسیر کو خارج کر دیا۔ لیکن اپنی ویب سائٹ پر ایک جگہ الاشراق کے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا ہے جب کہ دوسری جگہ الاشراق کو تصانیف کی فہرست میں نہیں رکھا گیا۔

سلیم شہزاد، منظور الحسن، سمیع مفتی، کوکب شہزاد، عمار ناصر، مغرا مجد، رفیع مفتی کا کام محض غامدی صاحب کے مضامین کی جگالی اور ان کے بے ربط غیر علمی متون کی تشریح وحاشیہ آرائی کے سوا کچھ نہیں، ان محققین کا کوئی وقیع کام دکھایا نہیں جا سکتا۔ المورد کے ان مفکرین کی سالانہ تنخواہوں پر لاکھوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ لیکن اس تہی دامنی کے باوجود یہ جہلاء علماء کو مطعون کر کے عرب وعجم اور مغرب پر اپنے غرور علم کا پرچم لہرانے چلے ہیں۔ یہ دبستان شبلی کی کل علمی میراث ہے۔ اس میراث پر غرہ یہ ہے کہ عرب وعجم کو غامدی صاحب فتح کر لیں گے اور مشرق ومغرب کو ملا دیں گے۔ بے چارہ دبستان شبلی کروڑوں روپے کے خرچے کے بعد عام سے موضوعات پر ۳۵ سالوں میں چند کتابچے اور کتابیں تحریر کر سکا۔ اشراق اعلام ریئے ساں کے شماروں میں آپ کو مغرب، مغربی فلسفہ، مغربی علوم سائنس وٹیکنالوجی جدید عہد کے پیدا کردہ مسائل پر ایک مضمون ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اس کے باوجود دعویٰ ہے کہ یہ جدیدیت سے واقف ہیں۔ جہلا اپنے آپ کو علماء کہلانے پر مصر ہیں۔ یہ اس عہد کا المیہ ہے۔ [جاری ہے]